بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اجلاس صدسالہ دارالعلوم دیوبند

چشمِ فلک نے اس تختی برِاعظم (برِصغیر) میں علم و معرفت اور دین و شریعت کی سطوت و شوکت کا ایسا روح پرور منظر کب دیکھا ہوگا۔؟ جو ۲۰ سے ۲۴ مارچ ۱۹۸۰ء تک دیوبند کے صدسالہ اجتماع کی شکل میں دیکھا گیا۔ سالوں سے انتظار تھا، لمحات اور گھڑیاں شمار ہوتی رہیں، دن گنے جارہے تھے جس دن کیلئے، وہ وقت آیا تو اپنے جلو میں اللہ کے نام پر اللہ کے دین کیلئے بسیطِ ارض کے ہر خطے سے لپکنے والوں سمٹنے والوں اور مر مٹنے والوں کا ایک ایسا سیلاب لیکر آیا کہ اس کے سامنے سالہا سال سے کی گئی تیاریوں، منصوبوں اور وسیع انتظامات کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ اجلاس نے جشن اور جشن نے ایک ہنگامہ خیز میلے کی صورت اختیار کرلی، کتنے تھے جو ایک تہائی صدی سے اپنی اس مادرِ علمی کی دید و زیارت کے لئے تڑپتے رہے لیکن وہاں پہنچ کر اس قبلۂ علم کے در و دیوار کو بھی پوری طرح نہ دیکھ سکے اور بزبانِ حال یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

دارالعلوم کا اجلاس صدسالہ ایک گونہ دارالعلوم کے بعض اکابر کے ان اندازوں اور تخمینوں کا عالم ناسوتی میں ظہور اور بشراتِ صادقہ کا نقطۂ آغاز تھا۔ دارالعلوم کے ایک خدا رسیدہ مجذوب بزرگ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ "یہ دارالعلوم چلتا رہے گا چلتا رہے گا، یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب ہو اور یہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے"۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے ایک بار یہ پیشگوئی خود مجھے سنا کر فرمایا کہ "اس پیشگوئی سے تو ہم بڑی امیدیں باندھے ہوئے ہیں"۔ اسی طرح دارالعلوم کے کچھ اور بزرگوں کا کہنا تھا کہ برِصغیر میں تجدید دین کے سارے مساعی اور اعمال کی نسبتوں کا مرکز دارالعلوم ہے۔ اور برِصغیر میں یہ دارالعلوم قطب المرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے چکی کے پاٹوں کے بیچ میں کلی ہوتی ہے۔ اور اس کے اردگرد پاٹ، گھومتے ہیں اسی طرح ختم ہونے والی صدی کے تمام دینی، ملی، تمدنی اور سیاسی معاملات بھی اس کے گرد گھومتے رہے۔ خداوند قدوس نے کچھ عجیب مقناطیسی قوتوں سے اسے نوازا۔ اگر برِصغیر کا غیر جانبدارانہ بے لوث مورخ ان مکاشفات اور بشارات کی روشنی میں گذشتہ صدی کی علمی دینی اور ملی و سیاسی تاریخ کا جائزہ لے تو یہ حقیقت دن کے اجالے کی طرح ثابت ہوجائے۔ برِصغیر میں دیوبندی مکتب فکر کے فکر و دانش کا سرچشمہ حضرت امام

شاہ ولی اللہؒ کی ذات ہے جنہوں نے متعدد مقامات پر اپنے اس کشف کا اظہار ہے کہ ایک وقت تو اسلامیانِ ہند پر شدید آزمائش و ابتلاء کا آنے والا ہے کہ ان کی چولیں ہلا کر رکھ دی جائیں گی۔ اور ان کا شیرازہ تلی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن اسلام پھر بھی جاندار شکل میں باقی رہے گا۔ اور وہ وقت دوبارہ آئے گا کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کو سطوت و شوکت عزت اور سربلندی نصیب ہوگی اور وہ اپنی عظمتِ رفتہ دوبارہ بحال کر سکیں گے۔

ابتلاء و محسن کا جو دور آیا سارے عالم نے دیکھ لیا۔ اور ایسا آیا کہ شاید تاریخِ اسلام میں اسکی مثال تلاشِ بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکے لیکن عزت اور سربلندی کے جو آثار ہویدا ہیں۔ اس کا مظہر اتم دارالعلوم دیوبند کا یہ فقید المثال اجتماع اور اس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کا جوش و ولولہ، گرویدگی اور وارفتگی ہے۔ الحمدللہ کہ نگہ کی بلندی، دلنوازیٔ گفتار اور پرسوزیٔ جان آج کے اسلامیانِ ہند کے نئے سفر کی متاعِ عزیز اور زادِ راہ ہے اور ان سب چیزوں کا رمز و شعار دارالعلوم کا یہ اجتماع ہے۔ شرکاءِ جلسہ کے تخمینے لاکھوں لاکھ ہر شخص نے اپنے اندازے سے لگائے ہیں۔ اور میرا محتاط جائزہ یہ ہے۔ کہ ظلمتکدۂ ہند میں قافلۂ اسلام کے وارد ہونے اور محمد بن قاسمؒ کے نزولِ اجلال کے بعد اہل علم ارباب زہد و صفا اصحاب فکر و دانش اور نام لیوایانِ اسلام کا اتنا بڑا اجتماع اس سرزمین نے یقیناً کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس اجتماع سے اسلامیانِ ہند کو خاص طور سے بڑا سہارا ملے گا۔ اور وہ اپنی تشخص و امتیازات کو اور بھی اعتماد، حوصلہ اور جرأت سے نہ صرف قائم بلکہ عیاں اور نمایاں کر سکیں گے۔ اجتماع کی یہی واحد "نفع عاجل" ہے جس نے ایک طرف دارالعلوم کی عظمتوں کو چار چاند لگا کر اس کے عالمگیر اثرات کا آئینہ اس کے سامنے رکھ دیا ہے۔ تو دوسری طرف اسلامیانِ ہند کو اجنبی اقوام و ملل کے بحرِ ظلمات میں اپنے وجود کی نئی دریافت بخش دی ہے۔ ومن عرف نفسه فقد عرف ربه۔ اور اس کے ساتھ ہی اس اجلاس نے اکثریت کے گھمنڈ میں مبتلا غیر مسلم قوتِ حاکمہ کو بھی محو حیرت کر کے مسلمانوں کے بارہ میں عادلانہ اور محتاط رویہ اپنانے کا لمحۂ فکریہ مہیا کر دیا ہے۔ اور جس کے نمایاں اثرات اجلاس میں شریک ہونے والے غیر مسلم بھارتی زعماء، وزیر اعظم اندرا گاندھی، اور ملک کے دیگر سیاسی لیڈروں جگجیون رام، راج نرائن، مسٹر بھوگنا وغیرہ کے تاثرات اور کیفیات سے محسوس کئے گئے جو لوگ اس اجتماع میں وہاں کی منتخب سربراہ مسز اندرا گاندھی کی شمولیت پر چین بجبین ہوئے اور نقطہ آفرینیاں کیں وہ اگر اس مہم میں غیر مخلص نہ بھی تھے مگر سیاسی بصیرت اور ملی مصالح اور تقاضوں کے ادراک میں عدیم البصیرت بہرحال تھے اور یہ کتنا ظلم ہے۔ کہ ہم یہاں آزادی کی فضاؤں میں جموم جموم کر ہر بار وہاں کے مسلمانوں کو اپنے پیمانوں سے ناپتے پھریں۔ اور ان کی مصلحتوں کو اپنے اغراض کے چشموں سے دیکھتے رہیں اور جب بھی ہمارے منافقانہ و فریب مقاصد کیلئے وہ قربانی کے بکرے بن جاتے ہیں تو ہم ایک خندۂ استہزاء کے ساتھ انہیں طاقِ نسیان کے سپرد کر دیتے ہیں۔ رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کے ایک

فاضل مدیر نے اپنے مشاہداتِ اجلاس میں گویا میرے دل کی بات لکھی ہے۔ کہ یہ پہلا موقع ہے کہ بھارت کے کسی سربراہ کو مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع اور عظمت اور شوکت کا براہِ راست مشاہدہ کرنا پڑا اور یہ کہ ہمارے بس میں ہوتا تو ہم عالمِ اسلام بالخصوص عالمِ عرب کے کونے کونے سے شریک ہونے والے زعماء اور علماء کو مسز اندرا گاندھی کے اردگرد ایسا سمیٹ کر رکھ دیتے کہ وہ اپنے آپ کو ملّتِ مسلمہ کی عظیم ہمہ گیر برادری میں محصور و مجبور سمجھ لیتی کہ ۵ کروڑ ہندی مسلمان جس کی پشت پر پوری ملّت کی نمائندگی کرنے والی عالمی برادری کے یہ نمائندے کیا ایسی قوت بھی اقلیت کہلانے کی سزاوار ہے اور کیا ایسی قوت بھی مقہور و مجبور ٹھہرائی جا سکتی ہے۔

یہ دارالعلوم کی شانِ تجدیدی کا ایک کرشمہ ہے۔ اور انشاء اللہ چودھویں صدی کے اختتام اور پندرھویں صدی کے آغاز میں اسلامیانِ عالم کا یہ اجتماع نئی صدی کے لئے دارالعلوم کے تجدیدی مستقبل کا غمّاز ہے۔ اور یہ سب کچھ اُن مردانِ حق آگاہ کی جہدِ مسلسل، جہادِ پیہم اور شبانہ روز قربانیوں کا ظہور ہے جنہوں نے اس صدی کے آغاز میں علم و عمل کی حفاظت شریعت و طریقت کی بقاء کے لئے اس ملک میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں کیا۔

اجتماع پر بہت کچھ لکھا جائے گا اور لکھا جا رہا ہے۔ صدیوں اس کی یاد قائم رہے گی۔ مگر جو بات مشاہدہ کی ہوگی اس کا ادراک سننے اور پڑھنے والے کہاں کر سکیں گے۔ اور پھر کسی قلم میں تاب کہاں کہ علم و معرفت کے اس عظیم جشنِ بہاراں کی منظر کشی کر سکے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں!
بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اجتماع کے بعد احقر کو دہلی، آگرہ، علی گڑھ، امروہہ، سرہند شریف، لدھیانہ بھی جانے کا اتفاق ہوا اور دہلی جاتے ہوئے تو حضرتِ اقدس والد ماجد شیخ الحدیث مدظلہٗ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کی معیت میں نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، شاملی کی حاضری کا شرف بھی فضلِ خداوندی سے میسّر ہوا۔ ان بلاد مجدد و شرف اور امصارِ علم و فضل کے مشاہدات و تاثرات بھی رفتہ رفتہ الحق کے صفحات پر آتے رہیں گے۔ فوری طور پر ہم اجلاس کی اہم تقاریر اور قراردادوں سے حاضرین کی فکری و روحانی تواضع پر اکتفاء کر رہے ہیں جو اجلاس کی اصل سوغات ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

خطبۂ استقبالیہ
اجلاسِ صد سالہ
دار العلوم دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مدظلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند

۳، ۴، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء

> یہ خطبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند نے اجلاس صد سالہ کے افتتاحی اجلاس میں ۳ جمادی الاولیٰ میں پڑھ کر سنایا۔ اس نشست میں وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی بھی موجود تھیں۔ "ادارہ"

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی وبعد۔

صدرِ محترم! حضرتِ گرامی، علمائے کرام، مہمانِ عظام و معزز حاضرین!!

ہم اس ایمانی اور تاریخی اجتماع کے موقعہ پر جو برّصغیر کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی ـــــــ بین الاقوامی تعلیم گاہ "جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند" میں بین الاوطانی انداز سے منعقد ہو رہا ہے جس میں تقریباً تمام اسلامی منطقوں کے فضلاء اور اربابِ دانش جمع ہیں، سب سے پہلے حق جل مجدہٗ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس چھوٹی سی بستی میں ایسی بڑی بڑی ہستیوں کو یکجا کر کے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات، ربطِ باہمی اور اسلامی اخوت و مودت کو تازہ بتازہ کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ ہم اس موقع پر اس غیر معمولی مسرّت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج یہ کبرائے ملّت ہم غربائے اُمّت کے کندھوں سے کندھا ملائے بیٹھے ہوتے نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ دلوں سے دل ملا کر اسلامی اخوت مساوات اور مودتِ باہمی کا عملی ثبوت پیش کر رہے ہیں، جو محض فضلِ خداوندی اور انعامِ ربّانی ہے:

لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم انه عزیز حکیم: اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے فللہ الحمد۔

ہم بصمیم قلب دماگو ہیں کہ اہلِ علم کی ہمت افزائی اور ملتِ اسلامیہ کی عزت افزائی کے لئے آپ حضرات اس سرزمین علم پر بار بار قدم رنجہ فرمائیں! آمین

شکر وسپاس اس کے بعد میرا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ خوشگوار فریضہ یہ ہے کہ میں بحیثیت خادم جامعہ اپنی مجلس شوریٰ، اپنے ادارہ کے اساتذہ، شیوخ، طلبائے عزیز، فضلاء گرامی مسلمانانِ ہند، جمیع کارکنان ادارہ اور بالخصوص اجلاس صد سالہ کے مخلص کارکنوں کی طرف سے آنے والے مہمانِ کرام کا شکریہ ادا کروں، جنہوں نے مشرق ومغرب کے دور دراز سفروں کی صعوبتیں جھیل کر محض اللہ کے لئے اس بین اللی اجتماع میں شرکت فرمائی۔

بلاشبہ یہ اسلام ہی کی جامعیت اور اجتماعیت کا کرشمہ ہے کہ ہم جیسے غرباء ان کبرائے قوم اور عظمائے ممالک کو اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں اور ان کے پُراز مودت واخوت چہروں کی چمک دمک سے اپنی آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور بڑھا رہے ہیں جس میں علماء وعرفاء بھی ہیں اور اصحاب حدیث وتفسیر بھی ارباب فقہ واصول بھی ہیں اور دانایان فلسفہ وکلام بھی، علوم شریعت کے شیوخ بھی ہیں اور علوم جدیدہ کے دانشور بھی، عمائد ملک وملت بھی ہیں اور زعماء ممالک واقوام بھی، جن میں سے ایک ایک فرد ایک مستقل یونیورسٹی کا درجہ رکھتا ہے اور اپنی مؤقر خدمات سے انسانیت کے لئے رہنما تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ کس زبان سے اور کن الفاظ میں ان جلیل القدر ہستیوں کا شکریہ ادا کریں جب کہ الفاظ تو جذبۂ امتنان ومنت پذیری سے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان ہستیوں کی بلند مکانی تک صد ہزار کوششوں کے باوجود نہیں پہنچ پاتے ؎

دامانِ نگاہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار

ہم زبان وبیان بلکہ زمین وآسمان سے بھی زیادہ وسعت رکھنے والے اور ایمانی تقاضوں اور روح اسلامی سے مملو پر خلوص جذبات تشکر کو دعائیہ تعبیر میں آپ حضرات کا پر تپاک خیر مقدم کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں کہ:

"جزاکم اللہ فی الدارین خیرا" والبقاکم فی عز علی الدوام۔ آمین

دیوبند ایک تاریخی اور مرکزی بستی حضرات محترم! یہ بستی (دیوبند) جس میں آپ سب حضرات جمع ہیں، بہت پرانی اور قدیم الایام بستی ہے، تاریخوں سے تقریباً ڈھائی تین ہزار سال تک اس کی آبادی کا پتہ چلتا ہے، قدیم زمانہ سے یہ بستی برادران وطن کی ایک زبردست تیرتھ گاہ ہونے کی وجہ سے (جو "دیوی کنڈ" کے نام سے معروف ہے اور اس پر آج بھی سالانہ میلہ لگتا ہے) مرکزیت کی حامل ہے، اس دیوی کنڈ ہی کے نام پر اس بستی کا قدیم نام "دیبی بن" تھا جو کثرت استعمال سے "دیوبند" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اس چھوٹی سی بستی میں جس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب ہے۔ سو سے اوپر مسجدیں ہیں جن میں متعدد مساجد شاہی زمانوں کی یادگاریں ہیں، آدینی مسجد یعنی قدیم جامع مسجد پانچسو سال اور ایک روایت کے مطابق آٹھسو سال پرانی ہے جس کے سنگین کتبے پر بہلول شاہ ثبت ہے۔ مسجد خانقاہ عہد اکبری کی یادگار ہے۔ مسجد سرائے پیرزادگان عہد جہانگیری کے آثار میں سے ہے۔

یہ بستی شمالی ہند میں ۲۹ درجہ ۵۸ دقیقہ عرض البلد اور ۷۷ درجہ ۳۵ دقیقہ طول البلد دہلی سے ۹۲ میل شمالی جانب صوبۂ یوپی میں واقع ہے۔ شیر شاہی شاہراہ اعظم جو پشاور سے کلکتہ تک چلی گئی ہے۔ اس بستی سے ہو کر گزرتی ہے، اس بستی میں قدامت کے ساتھ مرکزیت کی شان بھی پہلے ہی سے موجود تھی، لیکن قدرت کو اس رسمی مرکزیت سے شرعی مرکزیت کا کام لینا تھا، اور اس جگہ سے علم کا ایک ایسا ہمہ گیر چشمہ جاری کرنا تھا جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک کو بھی علوم نبوّت سے سیراب کرے۔

روشن ضمیر، اہل دل اسکی پیشینگوئیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ (جسکی تفصیل "تاریخ دارالعلوم" میں دی گئی ہے۔) ان پیشینگوئیوں کے مطابق یہ بستی عالموں فاضلوں، قادرالکلام ادیبوں، آزادی کے جانباز مجاہدوں اور دینی میدان کے سرفروشوں کی بستی بننے والی تھی، یا باسباب ظاہرہ یہاں کی قدیم مساجد کی اذانوں اور تکبیروں، ذکر و تلاوت کی محفلوں اور نمازیوں کی جمگھٹوں کی برکات کا ظہور دینی رنگ میں ہونے والا تھا۔

قیام دارالعلوم کا پس منظر اور اسباب تاسیس وقت آیا تو ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ رست وخیز کے بعد اس بستی کا نیا دور شروع ہوا اور یہاں علمی و عرفانی زندگی کا ستارہ طلوع ہوا جبکہ ہندوستان کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ میں جاچکی تھی، اسلامی شوکت کے چراغ میں صرف دھواں اٹھتا ہوا رہ گیا تھا جو چراغ کے بجھ جانے کا اعلان تھا، دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہوچکا تھا، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ رو بزوال تھے، دینی تعلیم گاہیں اور علمی خانوادے اجڑ چکے تھے، دینی شعور رخصت ہو رہا تھا، جہالت و ضلالت کی گھٹائیں اُفق ہند پر چھا چکی تھیں سنن انبیاء کی جگہ جاہلانہ رسوم و رواجات، مشرکانہ بدعات و خرافات اور ہوا پرستی زور پکڑتی جارہی تھی جس سے دہریت والحاد فطرت پرستی آزاد فکری بے قیدیٔ نفس اور فوضویت کی وبا پھوٹ پڑی تھی چمن اسلام میں خوش آواز پرندوں کے زمزموں کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لیلی تھی۔ مسلمان مضطرب و بے چین اور مایوسی کا شکار تھے۔ علماء کے لئے پھانسیوں کے پھندے تھے یا جلاوطنی کے مصائب اس وقت چند نفوس قدسیہ نے اپنے منوّر قلوب میں یہ خلش اور کسک محسوس کی کہ ستم رسیدہ مسلمانوں کے ملّی وجود کے تحفظ اور علوم نبوّت اور اسلامی معاشرے کو بچانے کی کیا صورت اختیار کی جائے اور ان میں دینی شعور اور ایمان دارانہ سیاسی فکر کو حیات نو کس طرح بخشی جائے؟ تو یہ صلحائے

امت کمر ہمت باندھ کر میدان میں آئے جو رسمی قسم کے لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے جو غیبی اشارے کے تحت کھڑے ہوئے اور آگے بڑھے جن کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی (رحمۃ اللہ علیہ) تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھ کر اسے اس تجویز کی صورت دی کہ ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے اور اسکی تعلیم وتربیت اور علم وعمل کے ذریعہ ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کو سہارا دے کر دلوں کی مردہ زمینوں کو زندہ کیا جائے۔

چنانچہ ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء کو تعلیمی رنگ میں عالمگیر احیاء دین کی تحریک کا یہ پودہ چھتہ کی مسجد میں (جو آپ حضرات کی نگاہ میں آچکی ہے۔) ایک انار کے درخت کے نیچے صرف دو آدمیوں کے ذریعہ نصب کیا گیا، دونوں کا نام محمود تھا۔ ایک محمود معلم تھا اور ایک محمود متعلم، جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام سے معروف زمانہ ہوا۔ اس وقت نہ اس گمنام مدرسہ کے پاس اپنا کوئی مکان تھا نہ مکان بنانے کا سرمایہ، نہ پروپیگنڈہ تھا نہ اشتہار واعلان کا تخیل، صرف توکل علی اللہ کا سرمایہ تھا جسکی تلقین اور تاکید خود بانیٔ اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے ہشتگانہ اساسی اصول میں بار بار بشد و مد کی گئی ہے۔

دار العلوم دیوبند احیائے دین کی عالمگیر تحریک غور کرنے کی بات ہے کہ جس طرح ہندوستان سے اسلامی سلطنت ختم ہو جانے کا حادثہ محض مقامی یا محض ملکی قسم کا نہ تھا بلکہ عالمی رنگ کا تھا جس کے دور رس اثرات دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی پڑے، چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہندوستان کی غلامی کتنے ہی ملکوں اور ریاستوں کی غلامی پر منتج ہوئی اسی طرح ایمانی اور علمی رنگ میں احیاء دین کی یہ تحریک جو "محمودین" سے شروع ہوئی، ابتداءً محض ایک ضعیف کونپل کی صورت میں نمودار ہوئی مگر اہل نظر کی نظر میں اس کونپل بلکہ اس کے تخم ہی میں ایک تناور شجرۂ طیبہ لپٹا ہوا محسوس ہو چکا تھا جسکے شیریں ثمرات سے ہندوستان ہی نہیں، دوسرے ممالک بھی بہرہ مند ہونے والے تھے اور وہ دین کی نشاۃ ثانیہ کا مصدر و منشاء بننے والا تھا۔

اس لئے جہاں غلامی کے رنگ میں اس ملک کی تخریب عالمی تھی وہیں تعلیمی رنگ میں یہ تعمیری تحریک بھی بانیٔ اعظم کے فکر پر عالمی ہی رنگ سے اٹھی جو نہ صرف علم دین کے لحاظ سے ہی عالمگیر ہوتی چلی گئی بلکہ قومی اور ملکی مفادات کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ثابت ہوئی تا آنکہ اسی تحریک کے پروردوں نے جہاں سو برس بعد غلام ہندوستان کو آزاد کرایا وہیں اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر جو ممالک اور ریاستیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ آزادی کا سانس لینے لگے، تخریب اگر عالمی انداز کی تھی تو اس کے ردِ عمل کے طور پر یہ تعمیر بھی عالمی ہی انداز سے ابھری جس کا علمی وعملی فیضان چند ہی سال میں ایشیا سے آگے بڑھ کر افریقہ تک پھیل

گیا اور آج یورپ و امریکہ تک بھی اسکی شعاعیں پہنچ چکی ہیں۔ ان ساری آزادیوں کا خاموش رہنا بھی جامعہ دارالعلوم دیوبند تھا جس کے فضلاء نے درس و تدریس کے ساتھ مختلف قومی سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں اتر کر تحریکات کے ذریعہ اس ملک میں آزادی کی روح پھونکی اور ۱۸۵۷ء ہی سے پھونکنی شروع کر دی تھی جب کہ ملک کے دوسرے حلقے سراسیمہ اور خاموش تھے یا خوشامد میں لگے ہوئے تھے، ان بزرگوں نے غاصب انگریز کا مقابلہ ابتداءً آہنی تلوار سے کیا پھر امن اور علم کی ناقابلِ شکست طاقت سے نبرد آزما ہوئے اور علمی رنگ سے یہ جذبات درس ثابت ہوئے اور آزادی کی لہریں دور دور تک پھیلیں جس سے اس جامعہ کے مؤسسین فضلاء اور روشن ضمیر حلقوں کی سنہری تاریخ بھری ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کا بنیادی اور ہمہ گیر مقصد اس مرکزی جامعہ کی تعلیم کا اساسی مقصد کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم و ترویج اسکی عملی تمرین اور عمومی اشاعت و تبلیغ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعصب آمیز منافرتوں کا استیصال کر کے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے، تاریخ اس پر شاہد ہے کہ بحیثیت مکتبِ فکر اس درس گاہ نے ہر اسلامی طبقہ کیطرف موانست و محبت کا ہاتھ بڑھایا اور بحیثیت جامعہ اس نے اپنا تعلیمی نصاب ایسا جامع رکھا کہ کوئی بھی اسلامی طبقہ اس سے باہر نہ رہنے پائے نصاب میں حفظ قرآن سے لے کر تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ کلام، بلاغت و بیان، حقائق و اسرار اور ان منقولات کے ساتھ علوم معقولہ، منطق فلسفہ، ریاضی ہیئت، عروض و قافیہ مناظرہ اور اختیاری فنون، مبادی سائنس، معلوماتِ عامہ، علم طب، صنعت و حرفت اور خوشخطی وغیرہ نصاب درس میں شامل کیں تاکہ کوئی بھی علمی عملی اخلاقی اور صنعتی طبقہ اس اجنبیت کو محسوس نہ کرے اور نہ صرف یہی بلکہ علم دین کے ہر بنیادی شعبے کو اس جامعہ میں ایک مستقل مدرسہ و کلیہ کی حیثیت و صورت دی گئی ہے، جیسے مدرسۃ القرآن، مدرسۃ التجوید، مدرسۂ فارسی و ریاضی، کلیۃ الطب، کلیۃ الصنائع، کلیۃ اللغۃ العربیۃ اور کلیۃ الفقہ والافتاء وغیرہ اس طرح اس درسگاہ نے ایک مذہبی یونیورسٹی اور جامعہ کی صورت اختیار کر لی اور الحمد للہ ہر ہر فن کے متخصص تا حال اس سے ۱۶ ہزار تیار ہو چکے ہیں اور جامعہ سال بسال مائل بترقی ہے۔ ان ۱۶ ہزار فضلاء کی تعداد میں مدرسین بھی ہیں اور مبلغین بھی ہیں اور مؤرخین بھی، اطباء جسمانی بھی ہیں اور مصلحانِ روحانی بھی، فضلاء دارالعلوم کی مذکورہ ۱۶ ہزار تعداد بلاواسطہ ہے اور بالوسائط ان فضلاء کو بھی شمار کیا جائے جو فضلائے دیوبند کے تیار کردہ ہیں تو یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے اور اس علمی گہوارہ کے لاکھوں لاکھ مستفیدین نہ صرف برصغیر میں بلکہ ایشیاء افریقہ، یورپ اور امریکہ تک میں بیش بہا دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد حضرت بانیٔ دارالعلوم اور جملہ بزرگان دیوبند کی سب سے بڑی سیاست

ہی یہ تھی کہ دینی تعلیم گاہیں قائم کرکے مسلمانوں کو سنبھالا جائے، چنانچہ حضرت الامام بانی دارالعلوم رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند کے علاوہ بھی جگہ جگہ بنفسِ نفیس پہنچکر دینی درسگاہیں قائم کیں اور اپنے متوسلین کو خطوط بھیج بھیج کر بڑی تعداد میں مدارس قائم کرائے۔

دارالعلوم دیوبند کے منہاج پر اور قاسمی فکر سے وابستہ معاہد و مدارس دینیہ ہی برّصغیر میں درحقیقت دین کی بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوئے اور ہو رہے ہیں، اس طرز فکر کی کامیابی پر گزشتہ صدی کے ایک ایک دن اور ایک ایک رات نے مہر تصدیق ثبت کی ہے اور آج بحمداللہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں دیوبندی مکتب فکر کے ہزاروں مدارس موجود ہیں جن میں یہی علماء دیوبند علمی، تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے بغیر تحفظ دین اور اتباعِ سنّتِ نبوی کے راستے پر مسلمانوں کو چلانے اور قائم رکھنے کی اور کوئی صورت نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا بنیادی مقصد تعلیم اور تربیتِ اخلاق ہی ظاہر فرمایا ہے۔

انّما بعثت معلما اور بعثت لاتمّم مکارم الاخلاق۔

یعنی احکام کا تعلق تعلیم سے ہے جو حدیث اوّل کا مفاد ہے اور احکام کے مطابق زندگی گزارنے کا تعلق تربیت اور تزکیۂ اخلاق سے ہے جو دوسری حدیث کا مفاد ہے اس لئے علمائے دارالعلوم نے انہی دونوں چیزوں کو اپنی زندگی کا بنیادی مقصد ٹھہرایا اور کامیابی کے ساتھ یہ منازل طے کیں!

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنّت رسولہ (ابن ماجہ)

دارالعلوم کی تصنیفی خدمات اس مکتب فکر کا دوسرا سلسلہ تصنیف و تالیف کا ہے تو اس سلسلے میں بھی علمائے دیوبند کے قلم حقیقت رقم نے پانچ ہزار سے زائد تصانیف کا عظیم الشان ذخیرہ اردو، فارسی عربی اور انگریزی میں جمع کیا جو برّصغیر کے ہر اسلامی مکتبِ فکر سے بدرجہا زائد اور وقیع ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ آغاز دارالعلوم ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ خود حجۃ الاسلام حضرت بانیٔ اعظم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ۲۵ سے زائد ہیں، جن میں علم کلام، عقائد اور فقہیات وغیرہ کو عقلی اور حسی دلائل سے مبرہن کیا ہے اور ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اس سلسلے کو نہر سے بحر بنا دیا۔ دارالعلوم کے مشہور مصنفین جنہوں نے فنون دینیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، احسان، اجتماعیات، سیاسیات، تاریخ اور سیرت وغیرہ میں تصنیفی خزانہ جمع کیا ہے۔ ان میں سرفہرست نام حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا آتا ہے جنکی تصانیف کا عدد ایک ہزار تک پہنچا ہوا ہے۔ جو موصوف نے ہر علم و فن میں، نثر و نظم میں عربی، فارسی اور اردو میں مدون فرمائیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب

محدّث گوجرانوالہ پاکستان، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و محدّث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت علامہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدّث دارالعلوم دیوبند، پھر ان کے تلامذہ میں حضرت شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ "صاحب فتح الملہم" حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ محدّث مدرسہ امینیہ دہلی و صدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدیر رسالہ "القاسم" "والرشید" دیوبند، حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ محدّث دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ محدّث دارالعلوم دیوبند، پھر حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، تم المدنی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان، مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، مدیر برہان دہلی۔ مولانا منظور نعمانی صاحب مدیر "الفرقان" لکھنؤ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، نیز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیر ترین تلامذہ میں یہ احقر راقم السطور بھی شامل ہے، جس کی تصانیف سو سے اوپر ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ کے تلامذہ میں **مولانا عبدالحق صاحب** بانیٔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان، مولانا سیّد محمد میاں صاحب محدّث مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا منّت اللہ صاحب رحمانی، سربراہ مدرسہ رحمانیہ مونگیر بہار، مولانا حامد الانصاری غازی صاحب وغیرہ اور ہزاروں وہ فضلاء ہیں جن کے قلم سے ہزارہا تصانیف وجود میں آئیں اور اس طرح تصنیف کے سلسلے میں بھی یہ مکتب فکر برصغیر کے تمام مکاتب فکر سے آگے اور ممتاز ہے جس نے دین کے ہر ہر گوشے کو اُجاگر کیا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مسائل کو علمی رنگ میں دنیا کے سامنے رکھا۔

ساتھ ہی دارالعلوم محض ایک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ ایک عملی تربیت گاہ بھی ہے جہاں علم کے ساتھ عمل صالح، اخلاق فاضلہ اور کثرت ذکر کی روح بھی طلبہ میں پھونکی اور پیوست کی جاتی ہے۔ اس ادارہ میں حسن سلوک، واحسان کے تحت شخصی تربیت کے علاوہ اصولی اور علمی طور پر بھی فن کے مسائل کو کتاب وسنّت سے اشکاف کر کے اس مصنوعی تصوّف پر کاری ضرب لگائی ہے جو فی زمانہ بنام تصوّف چند بندھی جڑی رسوم و بدعات و محدثات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے، اس لئے یہاں سے پڑھ کر نکلنے والوں میں علم کے ساتھ عزت نفس، وقار، استغنا اور خودداری کے ساتھ خاکساری، تواضع، زہد و تقویٰ اور صلاح و رشد کی روشنی بھی راسخ ہوتی ہے جو اس کے فروعی مدارس میں بھی پھیلی ہوئی ہے، دارالعلوم دیوبند برصغیر کے مدارس و جامعات میں ام الجامعات ہے، اس لئے اسے ازہر الہند بھی کہا جاتا ہے جس کے فیضان سے ہزارہا مدارس و معاہد چل

رہے ہیں اور لاکھوں کے قلوب میں ایمانوں کی حفاظت ہو رہی ہے اور بے شمار افراد طریقِ سنّت پر لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس دَور کی عقلیت پسندی اور خوگریٔ محسوسات چونکہ نقلیات دین کے ماننے میں حارج ہوتی تھی اس لئے انہی فضلائے دارالعلوم دیوبند نے قاسمی رنگ سے متکلمانہ انداز کی بھی سینکڑوں تصانیف سطح پر لا رکھیں جس سے نام نہاد عقلی شکوک وشبہات، تمدنی تاویلات اور معاشی تحریکات کا پردہ یکسر چاک ہوگیا۔

ان فضلائے گرامی کو اگرچہ دستار وسند تو آج دی جارہی ہے، لیکن بہت پہلے سے اپنی خدمات و تعلیمات سے خود سند ومستند ثابت ہو چکے ہیں۔

جامعہ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی امتیاز اس دارالعلوم میں خصوصیّت سے تدریس حدیث پر غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے جو قرآن حکیم کی اوّلین تفسیر اور فقہ اسلامی کا اوّلین سرچشمہ ہے اس لئے فن حدیث کی تکمیل سے قرآنِ مبین اور فقہ فی الدین دونوں کے سمجھنے کی صحیح استعداد پیدا ہوجاتی ہے، اس کے نصاب کا اساسی حصّہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام، بلاغت ومعانی، ادب عربی اور صرف ونحو ہے۔ بقیہ فنون بطور مبادی واسباب یا بطور آثار ونتائج پڑھائے جاتے ہیں۔

دارالعلوم کا سلسلۂ سند اس دارالعلوم کا سلسلۂ سند اساتذۂ دارالعلوم سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ تک، اور ان سے سندِ متصل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ دارالعلوم کی جماعت خالصتہً اہلِ سنّت والجماعت ہے جسکی بنیاد کتاب وسنّت اور فقہ ائمہ پر قائم ہے اس کا اصل اصول، توحید اور عظمتِ رسالت ہے جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے۔ اس کے ذوق پر تمام مسائل میں اوّلین درجہ نقل وروایت اور آثارِ سلف کو حاصل ہے اس لئے فضلائے ادارہ کتاب وسنّت کی مرادات اقوال سلف سے، ان کے متوارث تعامل وذوق کی معرفت کے ساتھ اساتذہ وشیوخ کی تربیت وصحبت اور معیت وملازمت سے حاصل کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی یہ مکتب فکر عقل ودرایت اور تفقہ فی الدین کو بھی فہم کتاب وسنّت کا ایک اہم ترین رکن قرار دیتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم کا انتظامی طریقۂ کار انتظامی حیثیت سے اس دارالعلوم کی تعلیمات وانتظامات کی نگران اعلیٰ ایک مؤقر مجلس شوریٰ ہے جس میں ملک کے مقتدر علماء اور اربابِ فکر ونظر فضلاء شامل ہیں جن میں بعض بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ ادارۂ اہتمام مجلس شوریٰ کا نمائندہ اور معتمد ہے جو ادارہ کا انتظام سنبھالتا ہے۔ اس مرکزی ادارۂ اہتمام کے تحت چوبیس انتظامی شعبے ہیں، ساٹھ اساتذہ اور دو سو سے اوپر شعبہ جاتی عملہ ہے جو تقسیم کار کے اصول پر کام کرتا ہے ان تمام شعبوں کا حقیقی مقصد اساتذہ اور طلبہ کی ضروریات کی تکمیل اور نظامِ تعلیم کی استواری ہے جس پر سالانہ ۳۰ لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے جسکی تکمیل کا شعبۂ محاسبی ذمہ دار ہے۔ اس کے ذریعہ ہر سال

میزانیہ تیار ہو کر مجلس شوریٰ سے منظور کرایا جاتا ہے اور اسے باضابطہ آڈٹ بھی کرایا جاتا ہے۔

ملّی اور اجتماعی دائروں میں جامعہ دارالعلوم کی تاریخی خدمات

اسی کے ساتھ دارالعلوم کی سرگرمیاں محض درس و تدریس تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس نے قومی ملکی اور سیاسی معاملات میں بھی اندرون حدود شرعیہ بڑھ چڑھ کر قائدانہ حصہ لیا اور لے رہا ہے اور اس کے اکابر کے کارنامے بھی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ حضرت سیّد احمد شہید بریلوی اور حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی نے جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جو نقش اپنے پاکیزہ لہو سے کھینچا تھا وہ ہر وقت علماء دیوبند کے سامنے ہے۔

۵۷ء میں حضرت نانوتویؒ بانیٔ اعظم دارالعلوم اور حضرت قطب وقت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سرپرست اعظم دارالعلوم نے شاملی کے میدان میں تلوار اٹھائی اور انگریزوں سے جنگ کی حضرت نانوتوی مجاہدین کے قائد تھے۔ پھر ان کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اسی قیادت کو لیکر اٹھے، اور آزادیٔ ہند کے لئے وہی ۱۹۱۵ء کی ریشمی خط کی انقلابی تحریک کے قائد تھے جس کا مرکز افغانستان تھا اور کثیر التعداد سنٹر مختلف ملکوں میں قائم تھے، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے سرفروش مجاہدان کے دست راست تھے اس راہ میں ہزاروں شہید ہوئے ہزاروں غازی بنے، خود حضرت شیخ الہندؒ پانچ سال تک فرنگی قید میں مالٹا رہے اور رہا ہونے کے بعد ہندوستان پہنچ کر اسی جوش جہاد سے جمعیۃ علماء ہند کی سرپرستی فرمائی اور آپ کے بعد یہ جماعت فضلاءِ دارالعلوم ہی کے تحت مصروف خدمت رہی ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور پھر ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں دیوبند کے کتنے ہی علماء نے قائدانہ حصہ لیا۔ یہ اسی موروثی جذبہ اور عمل کا اثر تھا کہ جب ملک معظم عبدالعزیز آل سعود نے جزیرۂ عرب میں اسلامی حکومت کا پر داز ڈالا تو علماءِ دیوبند نے سب سے پہلے اس کی حمایت کی اور دیوبند سے متعدد علماء اس کی تائید کے لئے سفر کر کے حجاز پہنچے اسی طرح ماضی قریب میں جب بیت المقدس اور فلسطین کی آزادی کی تحریک اٹھی تو صیہونی اور برطانوی سامراج کے خلاف علمائے دیوبند ہی کا فتویٰ سب سے پہلے صادر ہوا اور ان مسائل میں دارالعلوم ہی نے تمام مسلمانوں کو اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک محاذ پر جمع کیا اور اجتماعی احتجاج عمل میں آیا۔

اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم اور انہیں پسماندہ و متفرق کرنے کے لئے جب بھی فضلائے دیوبند آگے بڑھے چنانچہ مسلمانوں میں تنظیمی اور طبقاتی اتحاد پیدا کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت قائم کی گئی، جس کی سربراہی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی فاضل دیوبند رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر دارالعلوم کی یہ خواہش ہو کہ عامۂ اسلام کے رہنما تعلیمی، علمی، تمدنی اور اجتماعی میدانوں میں علمائے دیوبند

اور مسلمانانِ ہند سے تعاون کریں تو اس کی ہمہ جہت روشن تاریخ کی روشنی میں یہ خواہش یقیناً بجا اور برمحل ہوگی حاصل یہ کہ جب بھی کوئی سیاسی فتنہ اٹھا جس سے مسلمانوں کے اجتماعی یا مذہبی معاملات کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوا تو علماء دیوبند نے بیرونِ ملک بھی اس کے سدباب میں وہی پامردی دکھلائی جو اندرونِ ملک ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

جامعہ دارالعلوم اور باطل تحریکات کا مقابلہ

انگریزی حکومت کے ایماء سے اس ملک میں بہت سی گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں جن کے ذریعہ یہاں کے باشندوں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو راہِ راست سے ڈگمگانے کی کوششیں کی گئیں مگر دارالعلوم دیوبند اور اس کے فضلاء نے پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور بحمداللہ ان کوششوں کی بدولت مسلمان انگریزی حکومت کی دسیسہ کاریوں سے بہت حد تک محفوظ رہے بعض باطل پسندانہ تحریکات حضرت بانیٔ اعظم کی حیات میں بڑے طمطراق کے ساتھ میدان میں آئیں اور ان کی جانب سے اسلامی احکام و مسائل پر جاہلانہ اور غلط اعتراضات کی بوچھار کی گئی، لیکن حضرت بانیٔ دارالعلوم اور پھر ان کے تلامذہ نے مناظروں اور تصانیف کے ذریعہ ان کے برخلاف ایک مضبوط بند باندھ کر انہیں ختم کر دیا۔

انکارِ حدیث کا فتنہ ابھرا تو انہی فضلائے دیوبند نے جیسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور راقم الحروف نے نہایت مدلل کتابیں تالیف کر کے اس کا سدباب کیا۔ اسی طرح قادیانیت اور دوسرے طریقوں سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اسکیم تیار ہوئی تو دارالعلوم دیوبند نے پچاس سے زیادہ فضلاء اس کے مقابلہ کیلئے میدان میں اتار کر ان مکروہ سازشوں کا قلع قمع کیا۔ فقہیات اسلامی میں مداخلت کا فتنہ اٹھا تو دارالعلوم ہی نے قضاء شرعی قائم کرنے کی تحریک اٹھائی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم خامس دارالعلوم نے پانچسو علماء کے دستخطوں سے برطانوی حکومت کے سامنے محکمۂ قضاء شرعی کا مطالبہ پیش کر دیا جس سے یہ باطل تحریک مضمحل ہوگئی، ابھی ماضی قریب میں دوبارہ اس تحریک نے تنسیخ فقہ کا روپ اختیار کیا اور عائلی قوانین اور فقہ میں ترمیم کرنے کی آوازیں بلند ہوئیں تو دارالعلوم ہی کی تحریک پر بمبئی میں تمام مسلم فرقوں کا کنونشن بلایا گیا اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا جسکی صدارت بالاتفاق مہتمم حال دارالعلوم دیوبند کے سپرد کی اور بورڈ کی متحدہ احتجاجی آواز پر حکومت نے اعلان کیا کہ وہ خود مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم نہیں کرے گی۔

غرض برصغیر میں جامعہ دیوبند کے ان علماء ربانیین اور فضلاء صالحین نے درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ مذہبی اور دینی فضاء کو کبھی مکدر اور زہرآلود نہیں ہونے دیا بلکہ قلوب اور دماغوں کو جلا بخشنے کے لئے مدلل تحریر و کتاب اور تقریر و خطاب کے ذریعہ ایک زبردست پشتہ بنا کر ان سیلابوں پر بند باندھ دیا۔ اس طرح برصغیر کے مشرکانہ ماحول میں اس نے دین توحید کو اسکی اصلی صورت میں قائم و برقرار رکھا ہے۔ اور آج یہ جامعہ اس

بین الاوطانی اجتماع میں اپنی خدمات پر ایک بڑی حسّی دلیل کے طور پر اپنے ان ہزاروں فضلاء کو پیش کرنے میں شکر آمیز فخر محسوس کر رہا ہے کہ جن کی خدمات سے اطراف عالم میں دین پھیلا اور پھیل رہا ہے۔

عصری بین الاقوامیت کے تقاضے | یہ علمی اور عملی ثمرات اس وقت کے ہیں جبکہ دنیا پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک کا دائرۂ عمل اپنی ہی حدود تک محدود رہتا تھا لیکن آج وسائل نقل وحمل اور ذرائع علم وخبر کے وسیع تر ہو جانے کے سبب یہ پوری دنیا سمٹ کر ایک عائلہ اور قبیلہ بن چکی ہے اور کوئی بھی ملک محض اپنی داخلی سیاست سے اپنا کام نہیں چلا سکتا جب تک کہ اس کے روابط دوسرے تمام ممالک سے مستحکم نہ ہوں، اسی لحاظ سے آج دنیا کے سارے ممالک ملکِ واحد بن چکے ہیں اور پوری دنیا ایک نقطہ پر آگئی ہے اس لئے سیاسی امور ہوں یا انتظامی، سب بین الاقوامی رنگ ہی سے نمایا ہو رہے ہیں اس لئے ہمیں بھی مقامیت سے آگے بڑھ کر بین الاقوامیت کے دائرہ میں قدم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ گو دارالعلوم کا مزاج ابتداء ہی سے بین الاقوامی ہے، اس نے قومی اور بین الاقوامی اسلامی تحریکات واجتماعات میں بھی شرکت سے کبھی گریز نہیں کیا، مؤتمر عالم اسلامی مصر، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مؤتمر السیرت والسنۃ "دوحہ وقطر" مؤتمر الجغرافی ریاض میں اس کے نمائندگان نے شرکت کی اور اب اس اجلاس صد سالہ کے تعارف کے سلسلے میں بھی دارالعلوم نے اپنا وفد کویت، سعودی عرب اور امارات متحدہ بھیجا نیز رابطہ عالم اسلامی کی فرمائش پر یہاں سے تربیت الاطفال کے سلسلے میں متعدد اہل قلم نے مقالات ارسال کئے۔ اور آج بھی دارالعلوم کا یہی جذبہ ہے کہ اس کے ان علمی اور ثقافتی مقاصد کو اجتماعی رنگ سے عالمگیر بنایا جائے اور اسلامی تعلیمات کو اجتماعی قوت سے عالم آشکارا کیا جائے نیز اسلام پر وارد کئے جانے والے شکوک وشبہات کا پردہ اجتماعی رنگ سے چاک کیا جائے۔

بلاشبہ اس کے لئے ضرورت تھی کہ بین الاوطانی اشتراک کے ساتھ اسلامی منطقوں کے رجال علم وفضل کو تکلیف دی جائے اور دارالعلوم کی خدمات پیش کر کے ان کی آراء گرامی سے استفادہ کیا جائے، ان خدمات کے پیش کرنے کا منشا ہرگز ہرگز اس جامعہ کا کوئی تفوق جتانا یا جماعتی خودستائی کرنا نہیں حاشاء وکلاّ۔ بلکہ یہ ہے کہ ماضی کا جائزہ لیکر مستقبل کے لئے آپ حضرات کے مشورہ وتعاون سے ان تبلیغی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی مقاصد کی تعمیم کا کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جسکی پشت پر سارے اسلامی منطقوں کی اجتماعی قوت کارفرما ہو۔ جس سے یہ دینی مقاصد اجتماعی انداز سے دنیا کے سامنے آسکیں اور عام مسلمانوں کی زندگیوں پر کوئی عملی اثر ڈال سکیں اور وہ ایمانی اخوت، باہمی تعاون، علمی اشتراک اور فکری یکسانیٔ ہمت کے ساتھ اجتماعی عزائم وخدمات کو بروئے کار لاسکیں اور ان میں دینی دعوت کا وہ جذبہ ابھر آئے جو قرن اوّل کا نصب العین تھا کہ اس کے بغیر ان کی وہ پستی اور پست ہمتی دور نہیں ہو سکتی جو آج ان پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر اسلام کا مقصد واقعی اقوام دنیا کی اصلاح اور انہیں خدا پرستی پر